ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف

اور عورت پر کیسے فرائض ہیں ویسے ہی اس کے حقوق ہیں

(سورۃ البقرۃ آیت نمبر228)

اسلامی تناظر میں عورت کے

حقوق و فرائض

ویمن کمیشن جماعت اسلامی پاکستان

منصورہ ملتان روڈ لاہور فون نمبر:042-5419520

پیش لفظ

کائنات میں اللہ رب العالمین نے زندگی کا نظام چلانے کے لیے مرد کے ساتھ ہی عورت کو پیدا کیا۔ اس کا دائرہ کار متعین کیا اور پھر اس نظام زندگی کو چلانے کے لیے مرد اور عورت کے حقوق و فرائض متعین کیے جس میں ہر ایک صنف اپنا حصہ وصول کرنے کے ساتھ ساتھ دوسری صنف کے فرائض بھی ادا کرنے کی پابند ہے تاکہ کسی ایک میں بھی احساس محرومی اور رد عمل نہ پیدا ہو۔ انسان اور انسانی تہذیب جہاں بھی اپنی فطری کمزوری کے سبب افراط و تفریط کا شکار ہوئی وہاں معاشرے میں بگاڑ پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ قدیم جاہلیت نے مرد کی برتری ثابت کرنے پر سارا زور لگا دیا اور جدید جاہلیت نے رد عمل کا شکار ہو کر عورت کو برابری کی دوڑ میں شریک کرنا چاہا لیکن وہ اپنی حیثیت سے آگے نکلی کہ اب اسے بالمقابل کھڑا مر دست لگ رہا ہے۔ ان ادوار کے درمیان دور اسلام کو اگر ہم دیکھتے ہیں تو وہاں (وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ﴿۸﴾) سورہ التکویر کی صدا سے جو مقدمہ ان کی عدالت میں درج ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں اسلام میں کائنات پر عورت کی عظمت اور اس کا مقام ہر مرد کا جزو لانیفک بنا کر دونوں کے درمیان حقوق و فرائض کی جو متوازن نظام تشکیل دیا وہ قابل عمل بنایا گیا جو آج بھی بھٹکی ہوئی انسانیت کے لیے راہنما ہے۔ آج کی دنیا کے نقشے پر جو تہذیبی جنگ ابھر کر سامنے آ رہی ہے " **مساوات** کا دلفریب نعرہ اس کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ کمزور کو توانا اور پھر طاقتور کرنے کا جھانسہ جس نے صنعتی انقلاب کے لئے **معاشی مساوات** کا نعرہ لگایا پھر وہاں سے منہ کی کھا کر صنعتی مساوات کو ایشو بنا لیا۔ یعنی قرب قیامت کا سب سے بڑا شیطانی حربہ مغرب میں اس مصنوعی مساوات نے بتدریج دونوں صنفوں کے درمیان اتنا فاصلہ بڑھا دیا کہ وہ آپ اپنے ہدایت کے سرچشمے سے منہ موڑ کر عقل و منطق کے گھوڑے دوڑاتے ہیں تو معاشرے اس طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ عورت کے

حقوق(Women Rights) جب جدید تہذیب نے متعین کیے تو اس کی تہہ میں مذہب سے نفرت اور صنعتی انقلاب کی طرف پیش قدمی تھی جب کہ اس دوڑ میں مسلم معاشرے بھی اپنے اصل منصب اور ماخذ قرآن وسنت سے ہٹ کر اپنی معاشی سیاسی محکومی کے سبب عورت اور مجموعی انسانیت کی خیر خواہی میں اپنا راستہ چھوڑ کر بہت دور نکل گئے۔ لہذا مغرب کی تہذیب نے مسلم معاشروں پر شب خون مارا غربت، جہالت اور پسماندہ مسلم ممالک میں عورت کی حیثیت اور حقوق کو نشانہ بنایا گیا اور بالآخر عورت اور اسلام کو آپس میں ٹکرا دیا۔ جواب ایک کھلی جنگ کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ اس جنگ میں خود مسلم حکومتوں نے بھی اسلحہ فراہم کیا لینا اسلامی تحریکوں کا فرض بنتا تھا کہ وہ اس تہذیبی چیلنج کو سمجھیں اور اپنے حصے کا کام کریں اسلام کی جدید تشریح کے بالقابل قرآن وسنت کی روشنی میں تجدید کا راستہ اختیار کریں عورت کے حقوق کی مغربی تشریح کی بجائے اس مغربی تشریح کا کردار اور دائرہ ایسے وضع کرے کہ یہی عورت اس منہ زور تہذیب کا رخ موڑنے والی بن جائے۔ (انشاءاللہ)

ڈاکٹر انیس احمد صاحب اسلام اور دور جدید کے چیلنج کو بڑی اچھی طرح سمجھتے ہیں قرآن وسنت سے نہ صرف اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہیں بلکہ جدید دنیا میں اس کی تفہیم، تعبیر اور تطبیق بھی کرتے ہیں۔ اسلام اور عورت کو جن عنوانات سے ٹکرانے کی کوشش کی جاتی ہے ہم فوراً ان سے راہنمائی لیتے ہیں۔ وہ ہماری اسلام آباد برانچ کے مستقل ایڈوائزر ہیں عورت کے حقوق و فرائض ان کا ایک لیکچر تھا جسے کتابچے کی شکل میں لانے کے لیے ڈاکٹر صاحب نے مزید محنت اور وضاحت سے حق ادا کیا۔ اللہ تعالی انہیں اس کار خیر کا اجر عظیم عطا فرمائے (امین)

ہماری اسلام آباد برانچ کی نگران محترمہ سعدیہ سیف اور فوزیہ ذوالفقار بھی مسلمان عورت کے حوالے سے لیکچر سیریز کے لیے عنوانات کی تلاش اور پروگرام کا انعقاد کرانے کے لئے موضوع کے مطابق اہل علم و دانش کی تلاش اور پھر ہمارے مطالبے پر لیکچر کو کتابچے کی شکل میں لانے کے لیے مواد کی تیاری کے لیے ایک مشکل اور سخت جدوجہد سے گزری ہیں۔اللہ تعالی آخرت کی کامیابی کے ساتھ اس دنیا میں بھی ان کی کوششوں کو بارآور کرے(آمین)

عافیہ سرور

کنوینئر

ویمن کمیشن جماعت اسلامی

پاکستان

اسلامی تناظر میں خواتین کے حقوق و فرائض

گذشتہ چار دہائیوں کے دوران اسلام پر عموماً اور خواتین کے حوالے سے خصوصاً جن مسائل پر بحث کی جارہی ہے ان میں خواتین کے حقوق میں مساوات کا نہ پایا جانا معاشرہ میں انہیں یکساں مقام کا نہ ملنا اور معاشی اور سیاسی میدان میں خواتین کے سرگرم کردار کا نہ پایا جانا سرفہرست ہیں۔ اس بات پر سخت افسوس کا اظہار کیا جا رہاہے کہ ان مسلم ممالک میں بھی جہاں گزشتہ دو سو سال کے دوران مغربی سامراج نے اپنا نوآبادیاتی نظام مسلط کرنے اور مغرب کے لادینی نظام، سود پر مبنی معیشت، اباحیت پر مبنی ابلاغ عامہ اور اخلاق سے مبرا سیاست کو رواج دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا بھی ان سب کے باوجود لبرل ازم (اباحیت) اور وہ لادینی انفرادیت (Narcism) مسلم معاشرہ میں جڑیں نہ پکڑ سکی جو ان تمام کوششوں کا ہدف تھی اور اکثر مسلم معاشروں میں اسلام کے دیے ہوئے خاندانی نظام اور نظام حیاء وعفت کے اثرات برقرار رہے۔ گو مغربی سامراجی تعلیمی نظام کے زیر اثر تربیت پانے والے افراد میں اسلامی اقدار سے دوری میں کچھ اضافہ ضرور ہوا لیکن غالب اکثریت کی وابستگی اسلامی روایات کے ساتھ جوں کی توں رہی۔

مسلم ممالک کی یکے بعد دیگرے مغربی استعمار سے سیاسی آزادی کے بعد جن افراد نے ان ممالک کی باگ ڈور سنبھالی وہ عملاً اسی نظام اور تصور حیات کو اختیار کرنے میں اپنی عظمت اور برتری سمجھتے رہے جو ان پر گذشتہ صدیوں سے غالب تھا۔ مغرب کی لادینی تہذیب کی چمک اور اس کے بڑھتے ہوئے معاشی اقدار کے سامنے اپنے آپ کو کمزور سمجھتے ہوئے ان فرمانرواؤں نے مغرب کی فکر، زبان، قانون، ثقافت، معاشی اور سیاسی نظام کو اختیار کرنے ہی کو اپنے جدید ہونے اور معاشرہ کی جدیدیت سے تعبیر کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کے وہ پہلو جو غیر مسلم مغربی مستشرقین کے لیے الجھن

کا باعث تھے وہ سب پہلوان کے لیے بھی ایک مسئلہ بنتے گئے اور مغربی سامراج سے آزاد ہونے والے مسلم ممالک میں بلا تفریق خطہ و زبان، جدیدیت قدامت پرستی کے درمیان ایک کا بلا اعلان جنگ (Undeclared War) کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ ہر اس آواز کو جو اسلام کے آفاقی اور عالمگیر اصولوں پر مبنی تعلیمات کو پیش کرنے کے لیے اٹھی بلا تفریق قدامت پرستی کا عنوان دے کر غیر اہم قرار دیا گیا اور ہر اس شور کو چند گنتی کے افراد نے جدیدیت، لبرل ازم ، حقوق انسانی اور مساوات کے عنوان سے اٹھایا جو سر فہرست رکھ کر یہ تاثر دینا چاہا کہ وہ وقت آگیا ہے۔ جب اسلام کی نام نہاد روایتی، قدامت پرست، تعلیمات کی جگہ ایک نظر ثانی شدہ اسلام جو دور جدید کی مغربی تہذیب کی برابری کر سکتا ہوا ایجاد کیا جائے۔ چنانچہ اسلام کے عائلی قوانین، اسلام کے نظام فوجداری، اسلام کے تصور سیاست اور معیشت کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔

مسلم مفکرین نے جو خود اس دور کے اثرات سے مکمل طور پر آزاد نہ تھے تین علمی شاہراہیں اختیار کیں ایک شاہراہ تجدد جس کا مقصد عصری لادینی تہذیب کی روشنی میں اسلام کی جدید تدوین تھی۔ دوسری فکری تحریک اسلامی روایات سے شدید وابستگی کے ساتھ قدیم روایت کو جوں کا توں برقرار رکھنے کی خواہش مند تھی جب کہ ایک تیسری فکر نے اسلام کو جیسا کہ وہ قرآن و سنت رسول ﷺ میں پایا جاتا ہے اصل اور بنیادی حق (Basic Truth) قرار دیتے ہوئے دور جدید کے تناظر میں اس کی تفہیم (Understanding) تعبیر (Interpretation) اور تطبیق (aplication) کو اپنا ہدف قرار دیا۔ اگر دیکھا جائے تو تیسری فکری تحریک صحیح معنی میں اجتہادی، تعمیری، سیمابی (dynamic) اور تجدیدی (revivalists) تصورات کی حامل تحریک کہی جاسکتی ہے لیکن اس سے صحیح طور پر واقفیت نہ ہونے اور اس کے قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنے کی دعوت کو روایت

وقدامت سے خلط ملط کرنے کے نتیجے میں اس تحریک کو بھی مغربی مستشرقین نے روایت پرستی کی تحریک سمجھ لیا۔

خواتین کے حقوق اور ان کے استحصال کی اکثر گفتگو پہلے مکتب فکر کی جانب سے تو ہوتی رہی لیکن تیسرے مکتب فکر نے اپنے موقف کو تفصیل سے پیش نہیں کیا اور اسلام کے بنیادی تصورات مثلاً توحید، نبوت، آخرت، اسلام کی اجتماعی تعبیر، اسلامی نظام کے خدو خال اور اسلامی ریاست کی فکری اور نظریاتی بنیادوں پر زیادہ زور دیا۔ گو خواتین کے حوالے سے معاشرتی مسائل پر اعلیٰ علمی تحقیقات کی گئیں لیکن وہ سوالات بدستور گفتگو کے محتاج رہے جو مغرب زدہ ذہنوں کو پریشان کر رہے تھے۔ انہی میں سے ایک بنیادی سوال خواتین کے حقوق کا ہے۔

حقوق کی نوعیت

حقوق کے حوالہ سے ابتدائی نکتہ جس پر غور کرنا ضروری ہے یہ ہے کہ کیا حقوق میں جنس کی بناء پر کوئی تفریق کی جاسکتی ہے اور کیا قرآن داشتن مغربی لادینی تہذیب کی طرح انسانوں کو جنس کی بنیاد پر مخاطب کرتے ہوئے ان کے حقوق کا تعین الگ الگ کیا ہے؟ یا عرب عجم کی روایات کو روندتے ہوئے جنسی برتری (Superiorits) یا کم تری (inferiortis) کے تصور کی جگہ ایک نئی روایت عدل قائم کرتے ہوئے معاشرتی عدل کے آفاقی عدل کے آفاقی اصولوں کو تمام انسانوں کے لیے یکساں طور پر فیصلہ کن بنیاد قرار دیا ہے۔

اگر مسئلے کا جائزہ معروضی (Objective) طور پر لیا جائے تو اسلام کا نقطہ آغاز وہ عالمگیر اعلان معلوم ہوتا ہے جو سورہ نساء میں بیان کیا گیا **لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس سے تم کو ایک**

نفس (جان) سے پید کیا اس سے جوڑا (زوج) بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد عورت پیدا کر کے روئے زمین پر پھیلا دیے اور اللہ سے ڈرو جس کے نام کو تم حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو اور قطع مودت وارحام سے بچو کچھ شک نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے (النساء: ۴: ۱)

یہاں عرب و روم و ایران کے معاشروں، یہودیت، عیسائیت اور دیگر تمام مذاہب کے اس تصور کو رد کرنے ہوئے کہ عورت ایک کم جنس ہے، یا ثانوی حیثیت رکھتی ہے قرآن کریم نے دونوں کی اصل کو "نفس واحدۃ" کی اصطلاح استعمال کر کے یہ اعلان کر دیا کہ اپنی اصل، ہیئت تخلیقی و ترکیبی (Constitution) کے لحاظ سے دونوں کا مادہ ایک ہی نفس ہے۔ اسی لیے ایک دوسرے پر برتری کا دعوی نہیں کر سکتا۔ پھر یہ بات بھی واضح فرمادی کہ رشتہ ازدواج کا قائم کرنا بر بنائے تقوی ہے۔ یہی وجہ امتیاز ہے جنس فضیلت کی بنیاد نہیں ہے اور جنس کی بنیاد حقوق کا مطالب نہیں کیا جاسکتا اس چیز کو قرآن کریم نے اللہ تعالی کی ایک نشانی یا آیت قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ رشتہ تفریق اور کم تری یا برتری کا نہیں بلکہ مودۃ رحمت کا ہے (الروم 3: 21) یہ ایک دوسرے کو سکون دینے والا رشتہ ہے (الاعراف ۷ ۱۸۹) شوہر اور بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں یعنی دونوں ایک دوسرے کے لیے باعث تحفظ، باعث عزت، باعث سکون اور باعث رحمت ہیں۔ گویا قرآن کریم نے حقوق کے حوالے سے اس بنیادی بے راہ روی کو جو صرف ظہور اسلام کے وقت بلکہ آج مغربی تہذیب کی پہچان کہی جاسکتی ہے، رد کر دیا اور حقوق پر عورتوں اور مردوں میں کسی قسم کی تفریق کو جائز قرار نہیں دیا

اگر خالص قانونی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو قرآن کریم کا حکم کہ چور مرد ہو یا عورت، دونوں کا ہاتھ کاٹا جائے یہ ثابت کرتا ہے کہ قانون کی نگاہ میں سزا کی بنیاد تصدیق جرم ہے نہ کہ جنس۔ یہ نہیں

کہا گیا کہ مرد کا ایک ہاتھ یا نا یہ کہا گیا کہ مرد کا پورا ہاتھ کاٹو اور عورت کی صرف اڑھائی انگلیاں یا آدھا ہاتھ!

مغربی استعمار نے اوورثہ رمیں جو ذہن چھوڑا ہے وہ مغرب کی جنسی دوڑ(gender race) کو اصل اور بنیاد بناتے ہوئے اسلام کی تعلیمات میں بھی کسی نہ کسی زاویے سے ایسے پہلو تلاش کرنا پسند کرتا ہے۔ جن سے جنسی دوڑ کا ماحول پیدا کرنے میں آسانی ہو اور اگر آج تک خواتین اس دوڑ میں پیچھے تھیں تو اب وہ نئے دور کے تقاضوں کے زیر عنوان اسی دوڑ میں مردوں کو اپنے سے پیچھے چھوڑ جائیں۔ اس خواہش اور تمنا کو مساوات، شانہ بہ شانہ ترقی حصول اختیار(Empowerment) اور حقوق کی جنگ(War for right) جیسی اصطلاحات سے ملمع سے سجا کر بین الاقوامی کانفرنس، سمینارز اور کنونشنوں میں زیر بحث لا کر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ چند قرار دادوں اور قانونی دفعات کے نافذ کرنے سے خواتین پر کیے جانے والے مظالم کا خاتمہ ہو جائے گا۔ حقیقت واقعہ کچھ اور ہے۔ اسلام کے آفاقی قرآنی اصولوں سے لاعلی کے سبب مسلمان جن بے اعتدالیوں کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ ان کا حقیقی حل اسلام کی تعلیمات کے صحیح فہم اور تطبیق میں ہے۔ سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے جنسی تفریق کی جگہ عمل صالح (ethecality) اور تقوی(good conduct) کو معیار فضیلت و کامیابی قرار دے کر روایتی مشرقیت اور مغربیت دونوں سے آزاد ہو کر ایک روایت عدل کو متعارف کراتے ہوئے یوں کہا” یقیناً جو مرد اور عورتیں مسلم ہیں مومن ہیں مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں صابر ہیں اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں روزے رکھنے والے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور

بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے" (الاحزاب ۳۵:۳۳) یہاں پر جنسی تفریق کی جگہ عمل صالح کو بنیاد قرار دے کر اسلام نے مشرق و مغرب کی روایات کو پیچھے چھوڑتے ہوئے اخلاق و عمل کو وجہ فضیلت قرار دیا۔

اس بنیادی وضاحت کے بعد اب ہم اختصار سے یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ اسلام نے حقوق کے حوالے سے کیا تعلیمات دی ہیں۔ قرآن کریم گفتگو کا آغاز انسانوں کے حق وجود و بقاء(right tolife)سے کرتا ہے۔اور انسانی جان کے احترام و تحفظ کو پہلے انسانی حق سے تعبیر کرتا ہے۔حفظ نفس مرد اور عورت دونوں کا بنیادی حق ہے جو کسی کو ناحق قتل کرے گا (مرد ہو یا عورت)یعنی بغیر اس کے کہ جان کا

بدلہ لیا جائے یا ملک میں فساد و خرابی کرنے کی سزا دی جائے اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جو اس زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام انسانوں کی زندگی کا موجب ہوا (المائدہ 32:5)اسی مضمون کو(سورۃ النساء:۴:۹۳) اورالأنعام 6 :152 میں بیان کیا گیا ہے۔

اس حق میں اسلام نے کسی قسم کی تفریق و تقسیم کو پسند نہیں کیا جس سے ثابت ہوتا کہ انسانی جان کی قدر و اہمیت جنس کی تفریق سے بہت بلند ہے۔اسلام نے دوسرا حق انسانی عقل کی آزادی اور حریت کو قرار دیا جو مرد اور عورت دونوں کے لیے یکساں ہے۔چنانچہ دونوں کو حکم دیا کہ ان سب چیزوں سے اپنے آپ کو بچائیں جو انسانی عقل کو معطل کر دی ہیں۔

تیسرا حق جو خواتین اور مردوں کو دیا گیا اس کا تعلق عقیدہ اور دین کی آزادی سے ہے۔چنانچہ نہ صرف دینی معاملات میں عمل کی آزادی بلکہ مرد ہو یا عورت کسی کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ دوسرے پر قوت کا استعمال کر کے کسی عقیدہ کو مسلط کرے(البقر:02:۲۵۲) پانچواں بنیادی حق کا تعلق ایک

فرد کی عزت وو قار سے ہے چنانچہ ایک خاتون ہو یا مرد دونوں کو اسلام یہ حق دیتا ہے کہ ان کی عزت و وقار کا تحفظ کیا جائے (بنی اسرائیل 17:31-33)

چھٹا بنیادی حق جس میں کوئی تفریق نہیں کا تعلق ایک فرد کی ضروریات سے ہے چنانچ جو لوگ صاحب مال ہوں ان کے مال میں بے وسائل افراد کا حق (right) قرآن کریم نے خود رکھ دیا ہے (الذاریات 51:19)

قرآن کریم نے حقوق کے حوالے سے تفصیلات کے ساتھ ساتھ ان حقوق کے حصول کے لیے ایسا نظام بھی تجویز کر دیا جس میں ان حقوق کا پورا احترام کیا جائے۔ ہم نے محض مثال کے طور پر چھ بنیادی حقوق جو قرآن نے صراحتاً متعین کیے ہیں ان پر بھی اختصار سے چند نکات پیش کر دیے ہیں۔

معاشرے میں ذمہ دارانہ کردار ادا کرنے کے لیے تعلیم کی اہمیت سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم نے خواتین پر حصول علم کو فرض قرار دے کر نہ صرف خاندان اور معاشرت کے تصور میں انقلاب برپا کیا بلکہ معاشرہ میں خواتین کے مقام کو غیر معمولی طور پر بلند کر دیا۔ ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے بطور ایک معلمہ صحابہؓ اور تابعین کو فیضیاب کیا اور اس طرح علم کا ایک چشمہ جاری ہوا جس سے بعد کے آنے والے بھی استفادہ کرتے رہے۔ تعلیم کے حق کے بعد قرآن کریم نے خواتین کو مہر سے نوازا (النساء:30) اور یہ اصول طے کر دیا کہ مہر کی رقم غیر متعین رہے مگر قرآن کریم نے ایک مقام پر (قنطار) سے مثال دے کر یہ اصول طے کر دیا کہ وہ بہت زیادہ بھی ہو سکتا ہے اور قلیل بھی تاکہ خواتین کے وقار اور مقام میں کوئی کمی واقعہ نہ ہو اور نکاح نہ زیادہ مشکل ہو نہ بالکل ارزاں ہو جائے (النساء 02:04)

پھر خواتین کے حوالے سے انہیں نکاح کا حق دیا گیا یعنی عام حالات میں ایک مسلمان لڑکی جب شادی کی عمر کو پہنچے تو نکاح اس کا حق ہے۔ اور اسے یہ حق دلانا اس کے والدین، اقرباء، احباب اور ریاست کا فرض ٹھہرا دیا گیا۔ چنانچہ فرمایا وانکحوا الایامیٰ (النور 32:24) یعنی اپنی (بیوہ) عورتوں کے نکاح کر دیا کرو۔ ایسے ہی خواتین کو یہ حق دیا گیا کہ وہ نکاح کے بعد اپنی تمام ضروریات زندگی اپنے شوہر سے حاصل کریں۔ اور اگر ان کا یہ حق ادا نہ کیا جارہا ہو تو ریاست کو حق دیا کہ وہ ایسے معاملات میں دخل اندازی کر کے ایک خاتون کو اس کا حق دلا سکے۔ یہاں بھی بنیادی بات یہ کہی گئی کہ معلوم و مروجہ طریقے سے اس کا حل نکالا جائے۔

یہ اصول طلاق کی شکل میں طے کر دیا گیا اور متاع بالمعروف کہہ کر ایک مطلقہ کے لیے دوران عدت رواج اور معروف طریقے سے مادی اور مالی سرپرستی کو ایک حق قرار دے دیا گیا۔

جس طرح مرد کو طلاق دینے کا حق دیا گیا ایسے ہی عورت کو طلاق لینے کا حق (خلع) دیا گیا (البقرہ 02:292) اور یہ طے کر دیا گیا کہ اگر ایک شخص بدنیتی سے ایک خاتون کو معلق کر دینا چاہتا ہو اور طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو ریاست ایسی صورت میں طلاق کی تعمیل کرائے گی۔ یہاں یہ بات بھی ذکر کرنا مناسب ہو گا کہ طلاق کو ناپسندیدہ قرار دینے کے باوجود اس کا طریقہ خود قرآن نے متعین کر دیا تاکہ ایک شخص اسے غیر ذمہ داری کے ساتھ استعمال نہ کر سکے اور ایک ماہ کے وقفے سے دینے کی شرط کی بنا پر معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے اور ہر دو جانب سے معاملہ کی اصلاح کی کوشش کے بعد اس کا حتمی فیصلہ ہو (البقرہ 229:02)

اسی آیت مبارکہ میں یہ بات بھی طے کر دی گئی ہے کہ ایک مطلقہ کو عدت کے دوران معروف طریقہ سے رکھا جائے اور جب تین طلاقوں کے نفاذ کے بعد مکمل قطع تعلق ہو جائے تو پھر

دونوں کو آزاد تصور کرتے ہوئے سابق شوہر پر کوئی معاشی ذمہ داری نہ ڈالی جائے۔ اس طرح ایک مطلقہ اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کرنے کے لیے آزاد ہو اور اس پر کوئی دباؤ نہ ہو اسی طرح شوہر پر طلاق مکمل ہونے کے بعد کوئی بوجھ نہ ہو اور دونوں بغیر نفس کے کسی بڑے فتنے میں پڑے اپنا مستقبل طے کر سکیں۔

حقوق کے حوالے سے عموماً ایک سوال اٹھایا جاتا ہے کہ مساوات کے اس دور میں یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ وراثت میں ایک خاتون کا حصہ مرد سے کم ہو۔ اسی لیے دور جدید کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے خواتین کو بھی مساوی وراثت ملنی چاہیے۔ اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو قرآن کی حکمت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک سربراہ خاندان کے مرنے کے بعد خاندان کے نظام کو صحیح طور پر چلانے کے لیے گھر ہی کے کسی فرد کو یہ ذمہ داری (function) پورا کرنا چاہیے۔ اس لیے عقل تقاضہ کرتی ہے کہ خاندان میں کوئی لڑکا موجود ہے تو وہ اس ذمہ داری کو سنبھالے۔ چونکہ اس ذمہ داری میں نہ صرف گھر اور اہل خانہ کا تحفظ بلکہ ان کی معاشی ذمہ داری، تعلیمی ضروریات، علاج معالجہ، مکان، دیگر اخراجات بجلی پانی وغیرہ بھی شامل ہیں اس لیے اسلام نے اصولی طور پر یہ طے کیا کہ جو لڑکا یہ ذمہ داری ادا کرے اسے ایک وارث لڑکی کا دوگنا حصہ دیا جائے مثلاً

اگر لڑکی کا حصہ 10 ہزار ہے تو سربراہ خاندان ہونے کی ذمہ داریوں کے پیش نظر اس کا حصہ 20 ہزار ہو گا۔ یہ یاد رہے کہ نئے سربراہ خاندان کو اس کی بہن کے مقابلے میں دوگنا حصہ ملے گا۔ لیکن ساتھ ہی وہ اپنی بہن، ماں اور دیگر اقرباء کے جملہ اخراجات پورے کرنے کا ذمہ دار بھی ٹھہرے گا۔ گویا جو رقم اسے حصہ میں مل رہی ہے اس سے کئی گنا زیادہ ذمہ داری بھی ساتھ میں اس پر آپڑی ہے جب کہ وہ اپنی ماں یا بہن کے حصہ کی رقم پر کسی قسم کے استعمال کا حق نہیں رکھتا۔ وراثت میں ان

کا حصہ خالصتاً ان کی ذات پر محفوظ ہوتا ہے۔ اب اگر ہمارے ہاں اسلام کے اصولوں اور قوانین سے لاعلمی پائی جاتی ہو اور تعلیمی ادارے ہوں اور ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کسی بھی ادارے کی طرف سے ان معاملات میں عوام کو تعلیم و تربیت نہ فراہم کی جارہی ہو اور لوگ محض رسم و رواج کے بندے بن کر خواتین کو ان کے جائز اسلامی حقوق سے برادری اور باپ دادا کی روایات کے نام پر محروم کر رہے ہوں تو کیا اس کا علاج قرآن کی تعلیمات کی قطع برید کرتا ہے یا اپنی جاہلی روایات کو تعلیم و قانون کے ذریعہ پر اسلام سے ہم آہنگ کرتا؟

جس ملک میں خواتین پر قرآن کے نام پر نعوذ باللہ، قرآن سے شادی کر کے ان کے حقوق کو پامال کیا جارہا ہو ان پر ان کے اپنے باپ اور بھائی دباؤ اور تشدد کی دھمکی دے کر ان سے حق وراثت سے دستبرداری لکھواتے ہوں جہاں گھر کی زمین گھر میں رکھنے کے لیے لڑکیوں کو ان کے جائز حصے سے محروم کیا جارہا ہو۔ جہاں پر ڈرامے یہ پیغام دے رہے ہیں کہ جب چاہو تین مرتبہ طلاق دے کر تعلق توڑ دو اور پھر حلالہ کر کے دوبارہ تعلق جوڑ لو وہاں مسائل کا حل قرآن کو چھوڑ کر سیکولر نظام کا نفاذ نہیں ہو سکتا بلکہ ان تمام غیر اسلامی رسموں کو جو سیکولر ذہن کی پیداوار ہیں صحیح اسلامی فکر اور قوانین کے اجراء کے ذریعہ دور کرنا ہی ہو سکتا ہے۔

خاندان سے متعلق ان چند حقوق کے مختصر تذکرہ کے ساتھ ہی جاننا ضروری ہے کہ معاشرہ میں خواتین کے کردار (role) پر گفتگو کرتے وقت عموماً کہا جاتا ہے کہ جب تک خواتین مرد کے شانہ بشانہ مساوی مقام حاصل نہ کرلیں گویا ان کی نسوانیت نامکمل رہے گی۔ قرآن و سنت اس نظریے کی تردید کرتے ہوئے ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ اگر بعض شعبہ ہائے حیات میں خواتین مردوں سے زیادہ صلاحیت رکھتی ہوں تو انہیں مرد کے مساوی قرار دینا ان کے ساتھ ظلم ہے۔ ایسے ہی اگر مرد بعض

شعبوں میں خواتین سے زیادہ صلاحیت رکھتے ہوں اور انہیں مساوی تصور کیا جائے تو یہ عدل کے منافی ہے۔ مثلاً بعض شعبوں میں جیسے قالین بانی میں مخروطی اور نازک انگلیوں کے سبب مردوں کے مقابلہ میں خواتین کا زیادہ باکمال طور پر ریشمی اور اونی دھاگے میں گرہوں کا لگانا یا دوران ولادت تکلیف کا برداشت کرنا ایسے کام ہیں جو ایک قوی ہیکل اولمپک سونے کا تمغہ لینے والا مرد بھی ایک عورت کے مقابلے میں نہیں کر سکتا۔ تو کیا مساوات کے نام پر قالین بانی کی صنعت میں مردوں کو 50 فیصد کام سونپنا عقل کے مطابق ہو گا؟ اس لیے مساوات مرد وزن کی ساری بحث نہ عقلی ہے نہ تاریخی، نہ علمی بالکہ خالصتاً مغربی تہذیب کے بنیادی مفروضوں کو اپنی بنیاد ماننے سے پیدا ہوتی ہے

مغربی تہذیب کی بنیاد انفرادیت پرستی پر ہے جو جبکہ اسلام فرد کو اس کی ذاتی حیثیت میں تسلیم کرنے کے ساتھ اس کے معاشرتی کردار کو مرکزی کردار قرار دیتا ہے۔ اس معاشرتی کردار میں ایک خاتون کو حاصل ہے کہ وہ اسلام کے دائرہ عصمت دعفت میں رہتے ہوئے معاشی، تعلیمی، ثقافتی، فنی اور سیاسی میدانوں میں اپنا کردار ادا کرے۔ وہ ریاستی حکمت عملی(state policies)میں بھرپور حصہ لے اور جن معاملات میں مردوں سے زیادہ معلومات و تجربہ رکھتی ہو اپنی رائے اور مشورہ سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے ۔ لیکن مردوں کے ساتھ ایک دوڑ میں شامل ہونا اور یہ ثابت کرنا کہ وہ مردوں کے برابر یا ان سے برتر ہیں نہ تقاضائے عقل ہے نا اسلام کا مطلوب۔ بلکہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ خواتین کی اپنی کوئی آزاد حیثیت نہیں ہے۔ وہ اسی وقت کامیاب اور ترقی یافتہ ہوں گی جب وہ مکمل طور پر مرد کا چربہ بن جائیں!

اس حوالہ سے اپنی صلاحیت کو صحیح طور پر پروان چڑھانے کے لیے جسمانی صحت و قوت کا حق اس کا بنیادی حق ہے اور اس غرض سے تنہا خواتین کے لیے ایسے ادارے قائم کرنا جہاں وہ اپنی صحت

اور جسمانی تربیت کے لیے باعفت و باعزت ماحول میں سرگرمی کر سکتی ہوں اس کا حق ہیں۔ اگر بعض ورزشوں اور کھیلوں میں انہیں دلچسپی ہے اور وہ ان کی جسمانی ضروریات کے منافی نہیں ہیں تو انہیں اس کا پورا حق ہے کہ وہ پسند کے ماحول میں مردوں کی نگاہوں سے دور اپنی تربیت کر سکیں۔ اگر مرد تیراکی کر سکتا ہے تو عورت بھی تیراکی کر سکتی ہے لیکن اپنے لباس میں جس سے جسم کی نمائش نہ ہو، ستر عورت کی خلاف ورزی نہ ہو اور اسے کوئی غیر محرم نگاہ دیکھنے والی نہ ہو۔

ایک خاتون کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سیاسی معاملات میں اپنی رائے کا استعمال کرے اور سیاسی شعور کی بنا پر ریاستی معاملات میں اپنے مؤقف کی وضاحت کرے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان انتخاب کے مسئلہ میں مدینہ میں موجود اصحابؓ کے ساتھ ساتھ صحابیاتؓ سے ان کے گھروں پر جاکر رائے لی گئی اور ان کی رائے کو شامل کرنے کے بعد فیصلہ کیا گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں اور آپ ﷺ کے بعد آپ کے خلفاءؓ کے دور میں بہت سے معاملات میں صحابیاتؓ اور امہات المومنینؓ کی رائے پر ریاستی پالیسی طے کی گئی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں وہ کہ صرف خواتین کی نمائندہ بن کر ہی ایک بات کہنے کا حق رکھتی ہیں مرد صرف مردوں ہی کی نمائندگی کر سکتے ہیں۔ اسلامی اصول جنس کی تقسیم و تفریق سے بلند ہے اس کی بنیاد عدل اور توازن ہے۔ اللہ تعالی کا تقویٰ ہمارے اعمال کی بنیاد ہے تو تقویٰ کا مطالبہ یہ ہے کہ مرد ہو یا خاتون وہ اپنی جنس کے مفاد کو ان کی بندگی و اطاعت کے تابع بنادیں اور جو بات حق ہو اس کے لیے شہادت دے چاہے اس کی زد مردوں پر پڑے یا عورتوں پر۔

اسی بنا پر عورتوں اور مردوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ایک دوسرے کا دلی قرار دیا گیا۔ یعنی اہل ایمان چاہے مرد ہوں یا عورت وہ بھلائی کے قیام اور برائی کے مٹانے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ یہ تعاون سیاسی بھی ہے۔ معاشی بھی ثقافتی اور تعلیمی بھی۔

مغرب کی سرمایہ دارانہ اور لادینی روایت سے متاثر بعض دانشور نعرہ بلند کر رہے ہیں کہ ایک خاتون کو نکاح میں آجانے کے بعد بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ تجرد اختیار کرلے یا حاملہ ہونے سے بری ہو جائے۔ اس نام نہاد حق کی بنیاد جس مفروضہ پر ہے وہ یہ ہے کہ رشتہ نکاح میں آجانے کے باوجود ایک خاتون اس بات کی مجاز ہے جب وہ خود چاہے شوہر کی قربت اختیار کرے اور جب وہ چاہتی ہو تو ایسا نہ کرے۔ کیونکہ وہ نکاح کے بعد بھی کسی ایک فرد ہے۔ اسلام اس نظریہ سے اتفاق نہیں کرتا وہ نہ مرد کی مطلق برتری کا قائل ہے یہ عورت کی مطلق انفرادیت کا۔ رشتہ نکاح ایک اخلاقی، معاشرتی اور قانونی عہد نامہ ہے جس میں خاتوان بارضا ورغبت و آزادی اپنے شوہر کے اختیار میں دیتی ہے اور شوہر گواہوں کی موجودگی میں اسے قبول کرتا ہے۔ اس اخلاقی، قانونی اور معاشرتی عہد نامے کے بعد جس پر بیک وقت بہت سے گواہ ہوتے ہیں دونوں میں سے کسی کو بھی دوسرے کو جنسی تعذیب دینے کا حق حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک دوسرے کے لیے لباس، باعث تسکین وراحت اور باعث مودت و رحمت بن جاتے ہیں۔ حدیث صحیح میں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ بلا کسی عذر شرعی کے اگر ایک بیوی اپنے شوہر کی جائز خواہش پوری نہیں کرتی تو اس کا یہ فعل اللہ تعالی کے ہاں غیر پسندیدہ ہے۔

ہاں! باہمی مشورہ واتفاق سے اگر ایک شوہر اور بیوی اپنی طرف سے ولادت کو مؤخر کرنا چاہیں اور اس کے لیے احتیاط برتیں تو اس میں کوئی گناہ نہیں لیکن اس انتہائی ذاتی معاملہ میں ریاست کو یہ حق قطعاً نہیں دیا گیا کہ وہ غرفہ عروسی میں دخل اندازی کرے۔

(trespars)اور شوہر اور بیوی کو ہدایت دے کر وہ کس طرح اپنے ذاتی معاملات کو کریں۔
یہ ایک خاندان کے بنیادی حقوق اور راز داری(privacy)پر ڈاکہ اور حقوق انسانی کے عالمی تصور کی دلیرانہ خلاف ورزی ہے۔ اسلام کسی ریاست کو ہی نہیں دیتا کہ وہ اپنی آبادی کو محدور کرنے کے لیے، ریاستی ٹی-وی، اخبارات اور مالی وسائل کا استعمال کر کے لوگوں کو چھوٹے خاندان کی رحمتوں اور برکتوں کا قائل کرے۔ ریاستی استعمار کا ہی استعمال اسلامی نقطہ نظر سے انفرادی حقوق کی پامالی ہے۔

اسلام خواتین کے معاشی، سیاسی اور معاشرتی حقوق کی ضمانت دیتے ہوئے یہ چاہتا ہے کہ وہ معاشرہ میں مردوں کے فٹ نوٹ (Foot Note) کے طور پر زندگی نہ گزاریں بلکہ بہت سے معاملات میں مردوں سے برتر اور بہت سے معاملات میں ان سے کم تر ہونے کو اپنی کمزوری سمجھیں نہ مردوں کی قوت کی علامت دراصل خرابی کی جڑ وہ جنسی دوڑ ہے جس میں ہر دو فریق دوسرے کو شکست دینے یا کمتر ثابت کرنے کے لیے ایک غیر عقلی اور غیر متوازن رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔ جب کہ دونوں کو اپنے طرز عمل اور اپنے دائرہ کار کو اللہ تعالی کے دیے ہوئے ابدی اور آفاقی الہامی اصولوں کی روشنی میں طے کرنا چاہیے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ کس طرح دونوں مل کر دین فطرت کی پیروی کر سکتے ہیں۔ حقوق کو جنگ بنانا اسلامی روح کے منافی ہے۔ اسلام حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ذمہ داری اور عدل کے ساتھ ادا کرنے کا نام ہے۔ اسلام کی نگاہ میں نسوانیت مردوں کی طرح ایسے کام کرنے سے مکمل نہیں ہو سکتی جن کے لیے فطرت نے مردوں کو زیادہ صلاحیت سے نوازا ہے بلکہ صحیح نسوانیت اس عادلانہ طرز عمل کا نام ہے جس میں خود خواتین بعض شعبہ ہائے حیات میں نقطہ کمال تک پہنچتی ہے اور بعض میں اس سے کم تر ہونے کے باوجو معاشرہ میں عدل، توازان، ترقی اور صحت مندی کے پیدا ہونے کا باعث بن سکیں۔

اسلامی خاندان اور معاشرہ میں عدل وتوازن صرف اسی وقت وجود میں آتا ہے جب حقوق کے ساتھ فرائض کا شعور پایا جائے اور معاشرہ کے افراد ان میں توازن قائم رکھیں اگر تعلیم خواتین کا حق ہے تو اس کے ساتھ ہی ان پر فریضہ عائد ہو جاتا ہے کہ وہ جو علم بھی حاصل کریں اسے دوسروں تک پہنچائیں اس کا ذریعہ گھر میں تربیت اولاد ہو، خالی اوقات میں محلے کے بچوں کی تعلیم ہو یا کسی تعلیمی ادارے سے وابستہ ہو کر اپنی صلاحیت کا صحیح استعمال ہو اس کا فیصلہ ایک خاتون پر چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے حالات کے پیش نظر جس چیز کو مناسب سمجھے اختیار کرلے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ جتنا مردوں پر ہے اتنا ہی خواتین پر بھی عائد ہوتا ہے معاشرہ میں بھلائیوں کا رواج و قیام اور برائیوں کا دور کرنا ایک اجتماعی فریضہ ہے اور کوئی مسلمان خاتون اس فریضہ سے فارغ تصور نہیں کی جاسکتی اپنے مخصوص حالات میں وہ یہ فریضہ کس طرح ادا کرے اس کا فیصلہ اسے خود کرنا ہوگا جس طرح ہر مرد اس فریضہ کو اپنی صلاحیت، تربیت اور قدرت کے لحاظ سے ادا کرے گا ایسے ہی خواتین بھی اس فرض کی ادائیگی کے لیے اپنا لائحہ عمل خود طے کریں گی انہیں فیصلہ کرنا ہوگا کہ انفرادی سطح پر اپنی تربیت و اصلاح کے لیے کیا اقدامات کریں اپنے گھر کے ماحول کو اسلامی اصولوں کے مطابق بنانے کے لیے حکمت عملی اختیار کریں اور اسی طرح معاشرہ میں اور ملک میں اصلاحات کے لیے اپنی صلاحیت کا استعمال کس طرح کریں۔

دین کی اجتماعی کی تفہیم خاتون سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنی حد تک فرائض کی ادائیگی میں چوکس رہے اور اپنے گھر میں دعوت کے کام کے ساتھ ساتھ دیگر خواتین تک دین کی دعوت لے جانے اور انہیں دین کے کام کے لیے منظم کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھے یہی ملکی سالمیت کے حوالے

سے بھی ہے اور خواتین کا فرض ہے کہ ملک کی سربلندی کے لیے دین کی ہدایات کی روشنی میں اپنے لیے لائحہ عمل طے کریں۔